پاکستانی عہد غزل میں مابعد الطبیعیاتی حسن کا تصور

ڈاکٹر محمد نوید ازہر

Abstract:

The aesthetic sense of every person compels him to admire beauty. The question arises that what's beauty actually? The philosophers and sufis consider worldly beauty the manifestation of eternal beauty. The signs of eternal beauty can be seen everywhere in this universe. The eternal beauty can't just be visualized in human beauty but the sun, the moon, the flowers, the gardens, the birds, the oceans, the deserts and the mountains all are the symbols of eternal beauty. The human being loves this universe when he finds the secret of it. This concept of metaphysical beauty creates the sense of superiority of beloved one in our poetry especially ghazal. A beloved one is considered supreme and greater, for whom the lover surrenders himself. The ghazal of Pakistani era explores this aspect very well.

کلیدی الفاظ: حسن جمال، مجاز، حقیقت، مظاہر، پاکستانی غزل۔

جمالیات ، نفسیات کا ایک اہم موضوع ہے۔ انسان دور قدیم ہی سے جمالیاتی ذوق کا مالک رہا ہے۔ ہسپانیہ اور جنوبی فرانس کے ہزاروں سال پرانے غاروں میں دریافت ہونے والی جانوروں اور پرندوں کی خوب صورت تصویریں اس بات کا ثبوت ہیں۔ ڈھائی ہزار سال قبل مسیح میں تعمیر کیے گئے مصر کے اہرام آج بھی حسنِ تعمیر کا گراں قدر نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔ اجنتا الورا کے غاروں میں مہاتما بدھ کی تصویریں بھی انسان کی حسن پسندی کی توثیق کرتی ہیں۔ حسن انسانی شکل و صورت میں ہو یا عمارات کی تزئین و آرائش میں، شعر و نغمہ میں ہو یا رنگ و صوت میں، گل پوش وادیوں میں ہو یا برف پوش پہاڑیوں میں، طلوعِ آفتاب کی درخشانی میں ہو یا ماہِ کامل کی تابانی میں ؛ہمیشہ سے انسان کے لیے جاذبِ نظر رہا ہے۔ انسان تو انسان ،حیوانات میں بھی جمالیاتی حس کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے۔ کوئل کا پھول پر فریفتہ ہونا، مور کا مستی میں رقص کرنا، چکور کا چاندنی رات میں مسحور ہوجانا اور جدید حیاتیاتی تحقیق کے مطابق جانوروں اور پودوں کا موسیقی کا تاثر قبول کرنا، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات بھی احساسِ جمال کی دولت سے مالا مال ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حسن و جمال کیا ہے؟ ذیل میں حسن کے بارے میں چند مفکرین کی آراء درج کی جاتی ہیں۔

سقراط کے خیال میں:

> ’’جو چیز حسین ہوگی وہ افادیت کے لحاظ سے بھی بہتر ہوگی۔ کوڑا اٹھانے کی ٹوکری جو اپنا مقصد بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے، خوب صورت ہوسکتی ہے، لیکن سونے کی ڈھال جس سے اس کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، بدصورت کہلائے گی۔ وہ تمام چیزیں جو اپنا مقصد پورا کرتی ہیں خوب صورت اور اچھی ہیں اور اگر وہ اپنا مقصد پورا نہ کریں تو بدصورت اور بری ہیں۔‘‘(۱)

افلاطون کے خیال میں حسی حسن، حسنِ ازل کا پرتو ہے اور فن اصل کی نقل ہے۔ اس کے نزدیک حقیقت عالمِ امثال یا اعیانِ ثابتہ کی دنیا میں ہے جس میں نہ زمان و مکاں ہیں نہ تغیر و زوال۔ عالم شہادت میں موجود حسن اسی حسنِ ازل کا پرتو ہے جس میں کوئی کجی یا نقص موجود نہیں۔ افلاطون کے الفاظ میں:

> ’’حسنِ مطلق سادہ اور ازلی ہے جو نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ۔ اس کے فیضان سے تمام فانی اشیاء حسین محسوس ہوتی ہیں۔‘‘(۲)

افلاطون حسن کو خیر کے مترادف قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک حسن خیر ہے اور قبح شر۔ یہی حسن کا مابعدالطبیعیاتی نظریہ ہے، جس کے بے شمار مدارج ہیں۔ فطرت کا ہر دل آویز مظہر اس کے دائرے میں آجاتا ہے۔

ارسطو کا نظریۂ حسن اس کی کتاب ’’بوطیقا (Poetics) ‘‘سے ماخوذ ہے۔ اس مختصر سی کتاب، جو دست برد زمانہ سے بچ کر ہم تک پہنچ سکی ہے، کا اصل موضوع ڈراما اور المیہ ہے۔ افلاطون کی طرح ارسطو حسن کو خیر کے مترادف قرار نہیں دیتا، تاہم اس کے خیال میں دونوں میں قریبی تعلق ہے۔ چناں چہ وہ لکھتا ہے:

> ’’ہر وہ چیز حسین ہے جو تناسب رکھتی ہو۔ اس کے لیے صرف یہ ضروری نہیں کہ تمام اعضاء (یا حصے) ایک خاص طریقے پر جمع ہوے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایک طرح کی عظمت بھی رکھتے ہوں کیوں کہ حسن عظمت اور تناسب پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بہت چھوٹا حیوان حسین نہیں کیوں کہ نظر پورے کے پورے کو دفعتہ ادراک کرلیتی ہے اور مختلف اعضاء میں فرق نہیں کرتی اور ان کا موازنہ نہیں کرسکتی۔ اس طرح اس کے برخلاف بے انداز بھاری بھرکم جانور بھی حسین نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس کے تمام اعضاء ایک ساتھ نظر نہیں آتے کیوں کہ کل یعنی شے کی وحدت نظر کے لیے موجود نہیں رہتی۔‘‘(۳)

درج بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ یونانی فلسفی حسن کے بارے میں معروضی نقطہ نظر کے قائل تھے۔ یہ نظریہ صدیوں تک رائج رہا۔ فلسفۂ جدید میں اٹلی کے فلسفی کروچے :Croce) (1866-1952نے حسن کے بارے میں موضوعی نظریہ پیش کیا۔ اس کے مطابق حسن کلیتہً انسان کے اپنے نفس کا اعجاز ہے۔ حسن طبیعی و مادی اشیاء میں موجود نہیں ہوتا بلکہ یہ انسان کے ذہن کی تخلیق ہوتا ہے۔ اس فلسفی کے خیال میں جمالیاتی تخلیق ذہن کی انتہائی، ابتدائی اور بنیادی فعلیت ہے۔(۴)

حسن کے معروضی اور موضوعی دونوں تصورات غیر تسلی بخش ہیں۔ دونوں میں ایک دوسرے کو رد کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اگر حسن معروضی ہوتو تمام اشخاص کا جذب و احساس اس کے بارے میں ایک جیسا ہونا چاہیے۔ دوسری جانب اگر حسن کلیتہً موضوعی ہوتو اس میں وہ آفاقیت باقی نہیں رہ جاتی جو اس کے اندر موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قابلِ دید مظاہر اور اشیاء کے اندر بھی تناسب اور تنظیم موجود ہونی چاہیے اور دیکھنے والی آنکھ میں بھی ذوقِ جمال کی صلاحیت بیدار ہونی چاہیے۔ تبھی حسن و قبح کا معیار مقرر کیا جاسکتا ہے۔ یوں حسن میں معروضی اور موضوعی دونوں عناصر پاے جاتے ہیں۔

صوفیاے اسلام کے نزدیک حسن و جمال سے مراد وہ خوش نمائی، دل کشی یا خوبی ہے جو دلوں کو اپنی طرف مائل کرے۔ حسین اور جمیل میں فرق یہ ہے کہ حسن جزوی خوبی کا نام ہے۔ حسین ایک یا چند حوالوں سے دل کش ہوتا ہے، باقی اعتبارات سے دل بری سے عاری ہوتا ہے لیکن جمیل جملہ ظاہری اور باطنی اعتبارات سے دل پذیر ہوتا ہے۔ قائلین وحدۃالوجود کے مطابق سواے حسنِ مطلق کے کسی چیز کا وجود ہی نہیں، لہٰذا معشوقوں کی شکل و صورت میں جو جذب و دل ربائی ہوتی ہے، حقیقت کے لحاظ سے وہ حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ یوں حسنِ صوری کے ساتھ عشق مجازی مشاہدۂ حق ہے بشرطیکہ عشق پاکیزہ اور خواہشاتِ نفسانی سے پاک ہو۔ اگر عشق میں ہواے نفسانی کی آمیزش ہوتو پھر صوفیہ اسے عشق نہیں بلکہ شہوت کا نام دیتے ہیں۔(۵)

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے حسن کو تین انواع حسنِ الٰہی، حسن تکوینی اور حسنِ فنی میں تقسیم کیا ہے۔ حسنِ الٰہی یا حسن حقیقی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حقیقت میں الحسن، الحق، الحی اور القیوم ہے۔ حسن ہی اس کی ذات ہے۔ وہ قدیم و لازوال اور ازلی و ابدی ہے۔ اس کی صفاتِ حسنہ یا اسماے حسنیٰ ،اس کی ذات کے اعیان ہیں اور اس کی ذات اور حسن کی طرح قدیم ہیں۔ اس کے برعکس حسن مجازی کی صفات مخلوق اور حادث ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق حسین ہے۔ چوں کہ تخلیق حادث ہوتی ہے لہٰذا حسنِ اشیاء بھی حادث ہے۔ یوں وہ قدیم اور لازوال حسنِ ذات کے مثل نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے حسنِ مجازی کہتے ہیں۔ حسنِ حقیقی کی ہر تاثیر بے مثال اور بے نظیر ہے۔ اس کا مشاہدہ حواس کی قدرت سے باہر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حواس کا تعلق مادی یا کثیف چیزوں سے ہے۔ وہ غیر مادی، لطیف اور منزہ اشیاء کا مشاہدہ نہیں کرسکتے۔ حسنِ تکوینی سے مراد حسنِ کائنات ہے۔ اشیاء کے باطن میں حسن بالقوہ موجود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جمالیاتی تخلیقی فعلیت سے جلوہ نما ہوتا ہے۔ حسن ہی وہ شے ہے جسے حقیقت کہتے ہیں۔ یہ لطیف، منزہ، بسیط اور بحت ہے۔ اپنی اسی خوبی کی بناء پر وہ تعینات میں اپنا جلوہ پیدا کرتا ہے۔ اصل کے اعتبار سے حسن جوہر ہے لیکن جب خالقِ حقیقی یا خالقِ مجازی کی جمالیاتی تخلیقی فعلیت کے باعث تخلیقات میں ظہور کرتا ہے تو عرض کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اس اعتبار سے حسن خلقی یا مجازی حادث ہوتا ہے۔ حسنِ فنی کی اصطلاح اس حسن کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو خالق مجازی کی جمالیاتی تخلیقی فعلیت کے باعث ادب و فن میں ظاہر ہوتا ہے۔ خالق مجازی کی جمالیاتی تخلیقی فعلیت جس قدر کامل ہوگی اسی قدر اس کے تخلیقی شاہ کار میں حسن کی نمود کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے زیادہ ہوگی۔(۶)

شاعرانہ سطح پر بھی حسن کے حوالے سے یہی پہلو زیادہ گراں قدر ہے۔ذیل میں پاکستانی غزل کے چند منتخب شاعروں کے ہاں ما بعد الطبیعیاتی حسن سے پھو ٹنے والے تصورات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

حفیظ جالندھری کو حسن مجاز میں حسن مطلق کا جلوہ دکھائی دیتا ہے:

حیران نہ ہو دیکھ میں کیا دیکھ رہا ہوں
بندے تری صورت میں خدا دیکھ رہا ہوں (۷)

عبدالحمید عدم کے ہاں بھی حسن میں تقدس اور ماورائیت کا عنصر موجود ہے۔ وہ حسن کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں:

یہ خدا کی علامتیں ہیں عدم
مہ وشوں کی صفات کھل کے کرو (۸)
حسن کیا چیز ہے ارشاد گرامی کرنا
عشق کیا چیز ہے جویاے رضا ہونا ہے (۹)
ہر صاحب شعور کا مذہب ہے روشنی
ہر صاحب نگاہ کا ایمان حسن ہے
ہو مشق بندگی کی بھی ممکن ہے کچھ غرض
لیکن خداے حسن کی پہچان حسن ہے (۱۰)

حفیظ ہوشیارپوری عشق کو ناز اور حسن کو نیاز سے تعبیر کرتے ہیں۔ آرائش بزم ہستی ان کے نزدیک حسن ازل کی خود نگری ہے:

کچھ بھی ہو پر ان آنکھوں نے اکثر یہ عالم بھی دیکھا
عشق کی دنیا ناز سراپا، حسن کی دنیا عجزِ مجسم (۱۱)
آرائشِ بزمِ ہستی ہے یا حسن ازل کی خود نگری
اب تک وہ اپنے بکھرے ہوے جلووں کو مجسم کرتے ہیں (۱۲)
حسن کو دیکھا ہے میں نے حسن کی خاطر حفیظ
ورنہ سب اپنا ہی معیارِ نظر دیکھا کیے (۱۳)
ہزاروں کارواں، ہر کارواں کی جان اک یوسف

نمود حسن تیری گرم بازاری نہیں جاتی(۱۴)
مجید امجد پھولوں کو مظہر جمالِ یار گردانتے ہیں:
خیال یار ترے سلسلے نشوں کی رتیں
جمال یار تری جھلکیاں گلاب کے پھول(۱۵)
رئیس امروہوی حسن کو آگ اور عشق کو سوز قرار دیتے ہیں:
بس ایک آگ ہے جو حسن میں ہے گرمیِ ناز
مزاجِ عشق میں ٹھہرے اگر تو سوزِ دروں(۱۶)
احمد ندیم قاسمی کے ہاں حسن کی ہمہ گیریت، ماورائیت اور پاکیزگی کا ذخیرہ دوسرے شعراء سے کہیں زیادہ ہے:
حمدِ رب جمال ہے یہ بھی
ذکرِ حسنِ درونِ سنگ کروں(۱۷)
بچھڑ کے بھی میں ترے پرتوِ وصال میں ہوں
جہاں بھی جاؤں ترے ہالۂ جمال میں ہوں (۱۸)
ساری دنیا کے حسینوں میں ندیم
میں تو بس ایک ہی چہرہ دیکھوں(۱۹)
پڑھتا ہوں جب اس کو تو ثنا کرتا ہوں رب کی
انسان کا چہرہ ہے کہ قرآن کا پارا (۲۰)
تربت سے گلاب بن کے پھوٹا
جو حسن نہ چھپ سکا کفن سے(۲۱)
یہ راز مجھ پہ کھلا اس کی حسن کاری سے
کہ آدمی ہے خدا کے مزاج کا پرتَو (۲۲)
دیکھا جو غور سے تو مجسم تجھی میں تھا
وہ حسن جو خیال سے بھی ماورا ملا (۲۳)
مجھ کو کیا علم غم ہجر کسے کہتے ہیں
میں تو ہر گل کو ترا چہرۂ زیبا سمجھوں(۲۴)
نہ جانے کس حسنِ بے کراں کی مجھے نمائندگی ملی ہے
زمیں مجھے رنگ روپ بخشے فلک مجھے آئنہ دکھائے (۲۵)
اس رشتۂ لطیف کے اسرار کیا کھلیں
تو سامنے تھا اور تصور خدا کا تھا (۲۶)
جعفر طاہر کے ہاں بھی حسن میں تقدیس کا پہلو پایا جاتا ہے:
وہ موتیے کے ہار ستاروں کی تختیاں
صبحِ چمن کا نور کسی کے بدن پہ تھا (۲۷)
حسن میں شان کریمی کی ادائیں ساری
عشق میں ساری خطائیں ہیں ثوابوں کی طرح (۲۸)
اس ڈھلتے ہوئے حسن پہ لکھتا ہوں قصیدے
گرتی ہوئی دیوارِ حرم تھام رہا ہوں (۲۹)
کوے حرم سے نکلی ہے کوے بتاں کی راہ
ہاے کہاں پہ آکے ملی ہے کہاں کی راہ
صد آسماں بدامن و صد کہکشاں بدوش
بامِ بلندِ یار ترے آستاں کی راہ (۳۰)
حسنِ بتاں تو آئینۂ حسنِ ذات ہے
زاہد کو اس میں کفر پرستی نظر پڑی (۳۱)
ہو بیاں جو قامت و زلف کا تو ثبوتِ سایۂ کبریا

کوئی بات عارض و لب کی ہو تو حدیثِ مصحف و جام ہے (۳۲)
محب عارفی بھی حسنِ مجازی کو حسنِ حقیقی کا مظہر جانتے ہیں:
وہ خود ہی فاش ہر اک مظہر جمال میں ہے
جبین و زلف و رخ و خدوخال کچھ بھی ہو (۳۳)
منیر نیازی کے نزدیک جمال یار کے کمالات احاطۂ بیان سے ماورا ہیں:
جمالِ یار کا دفتر رقم نہیں ہوتا
کسی جتن سے بھی یہ کام کم نہیں ہوتا(۳۴)
کوئی حد نہیں ہے کمال کی
کوئی حد نہیں جمال کی(۳۵)
جون ایلیا کے مطابق حسنِ مجاز، حسنِ بے مثال کی تمثیل ہے:
اک حسنِ بے مثال کی تمثیل کے لیے
پرچھائیوں پہ رنگ گراتا رہا ہوں میں(۳۶)
سعود عثمانی کے ہاں حسن کا ماورائی پہلو یوں شعری آہنگ میں ڈھلتا ہے:
تصورات کو تجسیمِ صوت و نور کیا
ترے خیال نے جب خواب میں ظہور کیا (۳۷)
میں تجھ میں اور کسی کے بھی نقش دیکھتا تھا
کوئی مثال سی تھی حسنِ بے مثال میں بھی (۳۸)
حسنِ مجاز میں حسن حقیقت کا عکس دیکھنے کے رجحان سے ہی غزل میں محبوب کا ایک ارفع تصور جنم لیتا ہے:
تو تو سرمایۂ ہستی ہے ترا ذکر ہی کیا
ہم تو دشمن کو بھی اے دوست دعا دیتے ہیں
عبدالحمید عدم(۳۹)
بسی ہو جس میں ظفر ان کی بوے پیراہن
اس ایک سانس پہ قربان ہوں ہزار برس
یوسف ظفر(۴۰)
پیار کی میٹھی نظر سے تو نے جب دیکھا مجھے
تلخیاں سب زندگی کی لطف ساماں ہوگئیں
مجید امجد(۴۱)
بندگی کفر سے بدتر ہے اگر
میرے محبوب کو محبوب نہیں
رئیس امروہوی(۴۲)
پہلے اک شخص میری ذات بنا
اور پھر پوری کائنات بنا
غلام محمد قاصر (۴۳)
حسنِ مجازی کی سحر کاریاں ہوں یا حسنِ حقیقی کی معجز نمائیاں،اپنے گرفتار کو پائمال کر دیتی ہیں۔مبتلاے عشق سراپا نیاز بن جاتا ہے۔جلوہِ حسن میں گم ہو کر اپنی ذات کو فراموش کر دیتا ہے۔اپنی رضا کو التجا سے زیادہ اہم نہیں جانتا۔یہ وہ غم ہے جو باد شاہوں کو فقیری اور فقیروں کو دل کی امیری عطا کرتا ہے۔ا گر چشمِ بینا کے ساتھ دلِ بیدار بھی میسر آ جاے تو کائناتِ حسن اور حسنِ کائنات،سب کچھ حسنِ مطلق کا مظہر معلوم ہوتا ہے۔ جس عارف کے سینے پر یہ راز افشا کر دیا جاے، اسے کائنات اور موجودات سے والہانہ محبت ہو جاتی ہے۔یہی راز الخلق عیال اللہ کی معنویت سے آگاہی بخشتا ہے اور ذرہِ خاک کو پرِ پرواز سے نواز دیتا ہے۔فارسی اور اردو غزل میں یہ حکیمانہ اور عارفانہ مسائل بدن میں خون کی طرح گردش کر رہے ہیں ۔قیامِ پاکستان

کے بعد کی اردو غزل کا ان موضوعات کو نہایت عمدگی کے ساتھ اپنے دامن میں سمیٹ لینا ،اسی صدیوں کو محیط مشرقی روایت کا منہ بولتا اظہار ہے۔

حوالہ جات:

۱۔میمورا بیلا، بہ حوالہ: نعیم احمد، ڈاکٹر، حسن کیا ہے، مشمولہ: *فلسفے کی ماہیت*، ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، اول، مئی ۱۹۹۷ء، ص:۵۸

۲۔ سمپوزیم، بہ حوالہ: ایضاً، ص:۵۹

۳۔ بوطیقا، بہ حوالہ: ایضاً، ص:۶۰

۴۔ قیصر الاسلام، قاضی، *فلسفے کے بنیادی مسائل*، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ، ششم، ۲۰۰۸ء، ص:۳۳۳

۵۔ رک: محمد ذوقی، شاہ، سید، *سرِدلبراں*، محفل ذوقیہ کراچی، ثانی، ۱۳۸۸ھ، ص:۱۴۲،۱۴۳

۶۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، *آرزوے حسن*، فیروز سنز لاہور، دوم، ۱۹۸۹ء، ص:۱۶۲تا۱۶۷

۷۔ حفیظ جالندھری،*نغمہ زار*، مجلس اردو کتاب خانہ حفیظ اردو بازار لاہور،س ن، ص:۱۳۲

۸۔ عبدالحمیدعدم،سید ،*کلیات عدم*، مرتبہ: ڈاکٹر ثمینہ محبوب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ،۲۰۱۱ء، ص:۶۰۷

۹۔ ایضاً، ص:۱۱۱۳

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۱۴۹

۱۱۔ حفیظ ہوشیارپوری، *مقامِ غزل*، اردو اکیڈمی سندھ کراچی،۱۹۷۳ء، ص:۴۸

۱۲۔ ایضاً، ص:۷۱

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۹۰

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۴۲

۱۵۔ مجید امجد ،*کلیاتِ مجید امجد*، مرتبہ: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،الحمد پبلی کیشنز لاہور،طبع نو،۲۰۰۳ء، ص:۱۵۶

۱۶۔ رئیس امروہوی، الف ، *ادارہ ذہن جدید*، کراچی،بار دوم،۱۹۶۶ء، ص:۱۴

۱۷۔ احمد ندیم قاسمی، *ندیم کی غزلیں*، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور،۲۰۰۶ء، ص:۹۳

۱۸۔ ایضاً، ص:۱۱۵

۱۹۔ ایضاً، ص:۱۸۹

۲۰۔ ایضاً، ص:۱۹۷

۲۱۔ ایضاً، ص:۲۰۰

۲۲۔ ایضاً، ص:۲۱۵

۲۳۔ ایضاً، ص:۳۲۳

۲۴۔ ایضاً، ص:۳۸۱

۲۵۔ ایضاً، ص:۴۰۴

۲۶۔ ایضاً، ص:۴۵۲

۲۷۔ جعفر طاہر، *غزلیات جعفر طاہر*، مرتبہ: سلیم تقی شاہ، مثال پبلشرز فیصل آباد،اول،۲۰۰۸ء، ص:۸۰

۲۸۔ ایضاً، ص:۱۰۴

۲۹۔ ایضاً، ص:۱۲۸

۳۰۔ ایضاً، ص:۱۸۱

۳۱۔ ایضاً، ص:۱۸۳

۳۲۔ ایضاً، ص:۲۲۳

۳۳۔ محب عارفی، *چھلنی کی پیاس*، ایس آر پبلشرز چندریگر روڈلاہور،۲۰۰۰ء، ص:۳۸

۳۴۔ منیر نیازی، دشمنوں کے درمیان شام، مشمولہ: *کلیات منیر*،خزینہ علم و ادب اردو بازار لاہور،۲۰۰۲ء، ص:۴۷

۳۵۔ منیر نیازی، ماہِ منیر، مشمولہ: *کلیات منیر*،محولہ بالا، ص:۷۷

۳۶۔ جون ایلیا، *شاید*، الحمد پبلی کیشنز لاہور، اشاعت ہفتم، ۱۹۹۸ء، ص:۱۰۶

۳۷۔ سعود عثمانی ، *قوس*،کتب نما پبلشرز مال روڈ لاہور،اول،۱۹۹۷ء، ص:۷۷

۳۸۔ ایضاً، ص:۸۸

۳۹۔ عبدالحمیدعدم، سید، *کلیاتِ عدم*، محولہ بالا، ص:۳۳۷

۴۰۔ یوسف ظفر، *نوا ے ساز*، مکتبہ نو ڈلہوزی روڈ راول پنڈی،س ن، ص:۹۸

۴۱۔ مجید امجد، *کلیات مجید امجد*، محولہ بالا، ص:۱۹۴

۴۲۔ رئیس امروہوی، *الف*، محولہ بالا، ص:۶۹

۴۳۔ غلام محمدقاصر، *اک شعر ابھی رہتا ہے* (کلیاتِ قاصر)،ایلیا بکس راول پنڈی اول،۲۰۰۹ء ص: ۵۷